عورت کی امامت: فقہی آرا کا جائزہ

(*Imāmat* of Woman: A Study of Juristic Thoughts)

* عبدالکریم دوست

Abstract

According to the general perception of Muslim society, only man can be an *Imām* in congregational prayer (*Salāt al-Jamā'ah*). But number of traditions in traditional Muslim literature reveal that woman can also be an *Imām* in *Salāt al-Jamā'ah*. In recent years legitimacy of *Imāmat* of woman has been a subject of hot debate in traditionalist and modernist religious circles. This paper attempts to examine such kind of traditions and thoughts. It explores that *Imāmat* of woman for woman has been accepted generally, as for *Imāmat* of woman for men is concerned there are three schools: one rejected it, the second accepted it only for *Nawāfil* and the third justifies it for all kinds of prayer. This study claims that *Imāmat* of woman is not prohibited in Islamic *Sharī'ah*. She can do *Imāmat* where it is needed.

Keyword: *Immāmat,* women, legitimacy

کیا عورتیں مساجد میں جا کر جماعت کے ساتھ نماز پڑھ سکتی ہیں؟ کیا عورتیں امامت کروا سکتی ہیں ؟اگر امامت کروا سکتی ہیں تو کیا عورتیں صرف عورتوں کی امامت کروا سکتی ہیں یا مردوں کی امامت کروانا عورتوں کے لیے جائز ہے ؟یہ سوالات ہیں جو ہمارے معاشرے میں اکثر گردش میں رہتے ہیں اور ہمارے نوجوان طبقہ اس بارے میں موجودہ مذہبی فکر کے جوابات سے مطمئن نہیں ہوتا۔ اس بارے میں صحیح نقطہ نظر کی وضاحت اس لیے ضروری ہے کہ ہمارے نوجوان اس کشمکش میں کوئی ایسا راستہ اختیار نہ کر لیں جو کتاب و سنت کے خلاف ہو ، اس ضمن میں سب سے اہم بات جو میں اپنے ساتھیوں سے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ دین کے ہر معاملے میں ایک اصول ہر جگہ ملحوظ خاطر رکھیں کہ ایک چیز اسلام ہے، یا دین ہے جو خدا نے ہمیں دیا ہے۔ یہ دین دراصل چند اصولوں کا نام ہے جب کہ دوسری چیز مذہبی فکر ہے، جو اُن اصولوں کی روشنی میں تفصیلی مباحث اور ان کی تشریح کے نتیجے میں سامنے آتی ہے ان دونوں میں فرق ملحوظ

*ایم فل سکالر، یونی ورسٹی آف بلوچستان، کوئٹہ

رکھیں، دین نا قابلِ تغیر ہے اُس میں تبدیلی کا کوئی امکان نہیں۔ جب کہ مذہبی فکر انسانوں کی کوشش و خواہشوں کا نتیجہ ہے، اس لیے اس میں غلطی کا قوی امکان موجود ہے، اس لیے یہ ایک قابل تغیر چیز ہے۔ جب بھی کوئی غلطی مذہبی فکر میں سامنے آتی ہے، تو اس کی اصلاح کر دی جاتی ہے۔ عورت کی امامت سے متعلق ہمارے ہاں اکثر مباحث موجودہ مذہبی فکر کے نتیجے میں پیدا ہوئے ہیں، جو عورتوں سے متعلق ایک متشدد ذہن کا مالک ہے، جب کہ اس بارے میں ہمارے فقہا کا نقطہ نظر کیا ہے؟ موجودہ مذہبی فکر اُن تمام حقیقتوں سے بھی صرف نظر کر کے چند ضعیف احادیث کا سہارا لے کر اپنے اس موقف کو دوام بخشتا ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ اس بارے میں کوئی قول قرآن مجید سے ماخوذ نہیں تمام دلائل و براہین کی بنیاد احادیث ہے۔ دونوں نقطہ ہائے نظر اس بارے میں جو موقف قائم کرتے ہیں دونوں احادیث سے ہی استدلال کرتے ہیں۔

ہمارے نزدیک یہ ایک عام فقہی مسئلہ ہے جس پر دلائل و براہین کی روشنی میں بات کرنے کی ضرورت ہے اور اختلافات کو قبول کر کے فقہا کی طرح اس پر گفت گو کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمارے ہاں عموماً اگر کوئی ایسا مسئلہ پیش آجائے تو بجائے ایک علمی روش اختیار کرنے اور معاملے کی تحقیق کرنے کے عوام الناس کو بھڑکایا جاتا ہے، اور معاشرے میں حقارت و نفرت پیدا کی جاتی ہے، جو ہمارے نزدیک ایک صحیح رویہ نہیں، بلکہ ہونا یہ چاہیے کہ اس طرح کے موقعوں پر نصوصِ دینیہ کی طرف رجوع کر کے صحیح حقائق کو لوگوں کے سامنے لایا جائے۔ اس حد تک تو سب مسلمان متفق ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات تک عورتوں کو اپنے ساتھ مسجد میں نماز پڑھنے سے کبھی منع نہیں فرمایا اور نہ ان کے بعد خلفاے راشدین نے منع کیا، بلکہ آپ ﷺ کے دور میں عورتیں مسجد نبوی میں آکر آپ ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھتی تھیں، اس بارے میں واضح دلیل عبدالرزاق کی سند سے ہشام بن عروہ سے روایت کردہ وہ حدیث ہے کہ عمر بن الخطاب نے سلیمان بن ابی حثمہ کو حکم دیا کہ وہ رمضان کے مہینے میں مسجد کے پچھلے حصے میں عورتوں کی امامت کریں۔ عبدالرزاق نے معمر سے اور انھوں نے زہری سے روایت کی ہے کہ عاتکہ بنت زین بن عمرو بن نفیل حضرت عمر بن الخطاب کی بیوی تھیں۔ وہ نماز کے لیے مسجد میں حاضر ہوا کرتی تھیں۔ حضرت عمر انھیں کہا کرتے۔ بخدا تو جانتی ہے کہ میں اسے پسند نہیں کرتا تو وہ جواب دیتیں کہ میں اس وقت تک نہیں رکوں گی جب تک آپ مجھے منع نہیں کریں گے۔ جس دن حضرت عمر کو خنجر لگا وہ مسجد میں تھیں۔[1]

اس قول سے واضح ہے کہ عورتیں مسجد آکر مردوں کے پیچھے نماز ادا کرتی تھیں، حضرت عمر چونکہ بچپن سے ایک قبائلی معاشرے میں پیدا ہوئے تھے اور عہدِ عنفوانِ شباب میں قبائلی رسوم و آداب میں رہ کر گزارے تھے اس لیے عورتوں سے متعلق وہ کافی سخت مزاج تھے لیکن اسلام کی تعلیمات نے آپ کی جو تربیت کی اُس کے نتیجے میں وہ عورتوں سے متعلق

---

[1] ابوداؤد سلیمان بن الاشعث سجستانی، سنن ابوداؤد، (بیروت: دار الجیل، 1992ء)، 564۔

بھی اسی نظریے کا داعی بن گئے جو اسلام نے اُن کو دیا تھا، اس وجہ سے ان کی بیوی عاتکہ بنت زین مسجد جا کر جماعت کے ساتھ نماز پڑھتی تھیں حضرت عمر یہ چاہتے تھے کہ چونکہ عورتوں کو گھر کے کام وکاج کی وجہ سے گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت دی گئی ہے اس لیے اگر عاتکہ گھر میں نماز پڑھے تو مجھے زیادہ پسند ہے، لیکن عاتکہ نے جب مسجد جا کر نماز ادا کرنے کا انتخاب کیا تو حضرت عمر نے اُن کو کچھ بھی نہیں کہا کیونکہ انکا فرمان تھا کہ جس چیز کی اجازت نبی ﷺ نے دی ہے اُس سے عمر کس طرح روک سکتا ہے اور پھر اس قول سے واقف تھے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ تم اللہ کی بندیوں کو مسجد جانے سے نہ روکو۔اس بارے میں دوسری روایت ابن عمر سے مروی ہے:

عن ابن عمر قال رسول الله ﷺ لا تمنعوا اماالله مساجد الله ۔[2]

ابن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں میں جانے سے نہ روکو۔

(یہ حدیث صحیح ہے یہ حدیث سنن ابی داوٗد کے علاوہ صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن النسائی، سنن ابن ماجہ، موطا امام مالک اور مسند احمد میں بھی موجود ہے)

اس بارے میں تیسری روایت عمرو الثقفی نے عرفجہ سے روایت کی ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب لوگوں کو رمضان میں قیام اللیل کا حکم دیتے تھے۔ پس وہ ایک امام مردوں کے لیے اور ایک امام عورتوں کے لیے مقرر کرتے۔ پس آپ نے مجھے عورتوں کی امامت کا حکم دیا تو میں نے ان کی امامت کی۔

اس قول سے یہ بات واضح ہے کہ حضرت علی کے زمانے تک فرائض کے علاوہ قیام اللیل یعنی تہجد کے لیے بھی عورتیں مسجد آ کر جماعت میں شریک ہوتی تھیں۔ جب نوافل کے لیے وہ بھی رات کے وقت عورتیں مسجد جا سکتیں تھیں تو فرائض میں کیسے اُن کو روکا جا سکتا ہے! اس قول سے واضح ہے کہ عورتیں اس معاملے میں ہر اعتبار سے آزاد تھیں، وہ جب چاہتیں مسجد جا کر عبادت کرتیں اُن پر کوئی قدغن نہیں تھی۔ لہٰذا اس بارے میں تو تمام فقہا متفق ہیں کہ عورتوں کو مسجد جانے کی اجازت ہے، تاہم کچھ علما کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اُن کو اجازت تو ہے لیکن اگر وہ گھر نماز ادا کریں تو ان کے لیے بہتر ہے تاہم دین نے اُن کو اجازت دی ہے اس پر کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں۔ تاہم بعد میں اس ضمن میں کچھ احادیث وضع کی گئیں جن میں کہا گیا کہ عورتیں مسجد جا کر نماز نہیں پڑھ سکتیں، لیکن محدثین نے ان تمام احادیثوں کو جھوٹا قرار دیا یہ تمام احادیث اُن کتابوں میں مذکور ہیں جو صحت کے اعتبار سے بہت ہی ضعیف ہیں، جب کہ بخاری ومسلم دونوں میں اس طرح کی کوئی حدیث موجود نہیں، جس میں عورت کو مسجد جانے سے روکا گیا ہو۔ ہو سکتا کسی حدیث سے غلط مفہوم لے کر یہ رائے قائم کی جائے لیکن اُن میں براہ راست اس طرح کی کوئی بات بیان نہیں کی گئی ہے۔

---

[2] ابو داؤد، سنن ابو داؤد، 562۔

دوسرا اہم مسئلہ امامت کا ہے۔ کیا عورتیں امامت کرسکتی ہیں؟ اس سوال کے دو پہلو ہیں: پہلا یہ ہے کہ عورتیں صرف عورتوں کی امامت کرسکتی ہیں؟ دوسرا عورتیں مردوں کی بھی امامت کرسکتی ہیں؟ اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ عورتیں عورتوں کی امامت کرسکتی ہیں۔ تمام ائمہ اس بات پر متفق ہیں سوائے امام مالک کے، فقہ حنفی کے مشہور عالم امام کاسانی لکھتے ہیں:

عام طور پر عورت امامت کی اہل ہے، یہاں تک کہ وہ عورتوں کی امامت کرا سکتی ہے۔[3]

امام شوکانی نے لکھا ہے کہ عورتوں کی امامت عورتوں کے لیے صحیح ہے۔[4] غرضیکہ جمہور فقہا کا اس پر اتفاق ہے کہ عورتیں عورتوں کی امامت کرسکتی ہیں۔ لیکن اختلاف اس امر میں ہے کہ کیا عورتیں مردوں کی امامت کرسکتی ہیں یہ وہ سوال ہے کہ جس کے بارے میں آج کا مذہبی فکر بہت ہی متشدد ہے۔ اس بارے میں فقہا کا موقف تفصیل کا متقاضی ہے کیونکہ اس امر میں فقہا کے ہاں فہم کا اختلاف موجود ہے۔ اس لیے ذیل میں تفصیل کے ساتھ اس بارے میں فقہا کا موقف دلائل کے ساتھ پیش کیا کائے گا۔

اس بارے میں ام ورقہ کی وہ دو احادیث قابل غور ہیں، جن میں اُن کو امامت کے لیے حکم دیا گیا تھا ان احادیث پر تو سب کا اتفاق ہے۔ لیکن ان کے بارے میں فہم کا اختلاف موجود ہے، جو الفاظ کے معنی کے حوالے سے ہے اور تشریح کے حوالے سے بھی ہے پہلے ان کی احادیث نقل کرتے ہیں پھر اس اختلاف کو واضح کردیتے ہیں۔ پہلی حدیث یہ ہے:

> "ام ورقہ بنت نوفل سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر کے لیے نکلنے والے تھے تو میں نے کہا: اے اللہ کے رسول، مجھے بھی اپنے ساتھ اس غزوہ میں جانے کی اجازت دیجیے۔ میں آپ کے مریضوں کی تیمارداری کروں گی، شاید اللہ تعالیٰ مجھے شہادت کی موت دے دے۔ اللہ کے رسول نے فرمایا: اپنے گھر میں ٹھہری رہو یقیناً اللہ تعالیٰ تمھیں شہادت کی موت دے گا۔ راوی کا قول ہے کہ اس بشارت کی وجہ سے لوگ انھیں شہیدہ کہتے تھے۔ راوی کہتا ہے کہ وہ قرآن کی قاری (حافظہ) تھیں، چنانچہ انھوں نے نبی اکرم سے اپنے گھر میں ایک مؤذن مقرر کرنے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے انھیں اس کی اجازت دے دی۔ راوی کا قول ہے کہ ان کا ایک مدبر غلام (جو مالک کی موت کے بعد آزاد ہو جاتا ہے) اور ایک لونڈی تھی۔ یہ دونوں ایک رات اٹھ کر ان کے قریب آئے اور پلش کی چادر سے ان کو اس قدر دبا کر ڈھانپا کہ وہ مر گئیں۔ وہ دونوں بھاگ

---

[3] علامہ ابو بکر علاء الدین۔ البدائع والصنائع، ترجمہ۔ ڈاکٹر محمود الحسن عارف، (لاہور: دیال سنگھ لائبریری ٹرسٹ لائبریری 1993)، 515۔

[4] امام شوکانی، نیل الاوطار (دار الحدیث، 1993ء)، 225۔

گئے۔ صبح کو حضرت عمر لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے اور فرمایا: جس کسی کو ان دونوں قاتلوں کا علم ہو یا جس نے بھی ان کو دیکھا ہو تو پکڑ کر میرے پاس لے آئے۔ چنانچہ جب وہ لائے گئے تو حضرت عمر نے ان کو سولی پر لٹکا دیا۔ وہ دونوں پہلے قاتل تھے جن کو مدینہ منورہ میں سولی پر لٹکایا گیا۔"[5]

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کو الاصابہ فی تمییز الصحابہ میں محمد بن فضیل کی سند سے بیان کی ہے اور اس میں کچھ اضافی الفاظ بھی نقل کی ہیں:

"جب صبح ہوئی تو حضرت عمر نے فرمایا: بخدا کل شب میں نے اپنی خالہ ام ورقہ کی قرات نہیں سنی۔ پہلے وہ اس کے محلّہ (دار) میں داخل ہوئے جب کچھ نظر نہ آیا تو ان کے گھر (بیت) میں داخل ہوئے تو وہ ایک کونے میں پلش کی چادر میں لپٹی پڑی تھیں۔ آپ نے کہا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سچ کہا کرتے تھے: چلو چل کر شہیدہ سے ملاقات کریں۔ پھر آپ منبر پر چڑھ گئے۔"[6]

دوسری حدیث ام ورقہ بنت عبداللہ بن حارث سے ایک اور سند سے مروی ہے:

عن ام ورقه بنت عبدالله بن الحار ث بهذا الحديث ، والاول اتم قال : وكان رسول الله ﷺ يزورها فی بيتها ، وجعل لها موذناًيوذن لها وامر ها ان توم اهل دارها قال عبدالرحمن فانا رايت موذنها شيخا كبيراً۔[7]

ترجمہ: "اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر آیا جایا کرتے تھے۔ آپ نے ایک موذن مقرر فرمایا تھا جو ام ورقہ کے لیے اذان دیتا تھا۔ آپ نے ان کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنے محلے والوں کی امامت کیا کریں۔ راوی عبدالرحمان کہتا ہے کہ میں نے ان کا مؤذن دیکھا تھا جو ایک بوڑھا شخص تھا۔"

اس حدیث میں مطلق امامت کا ذکر ہے۔ اس میں عورت مرد کی کوئی قید نہیں ہے۔ بلکہ امہ ورقہ کو محلے میں امامت کی ذمہ داری سونپی گئی ہے، امہ ورقہ کون تھی اُن کو کس بنیاد پر امامت کی اجازت دی گئی تھی۔ اس بارے میں خورشید عالم اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

"ام ورقہ بنت عبداللہ بن حارث بن عویمر بن نوفل الانصاری رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابیہ تھیں۔ انھوں نے رسول اکرم کے دست مبارک پر بیعت بھی کی تھی۔ اس

[5] ابو داوٗد سنن ابو داوٗد، 588۔

[6] ابن حجر عسقلانی، الاصابہ فی تمیز الصحابہ (لاہور: مکتبہ رحمانیہ، س ن)، 65۔

[7] ابو داوٗد، سنن داوٗد، 589

زمانہ میں صراحت کے ساتھ اگر کسی عورت کے بارے میں حافظہ ہونے کا ذکر ملتا ہے تو صرف انھی کے متعلق ملتا ہے۔ان کی قراءت اتنی اچھی تھی کہ حضرت عمرات کو بڑے ذوق و شوق سے ان کی قراءت کو سنتے تھے۔ غالباً وہ اونچی آواز سے قراءت کرتی ہوں گی۔ ایک رات حضرت عمر نے جب ان کی قراءت کو نہ سنا تو ان کے بارے میں انھیں فکر لاحق ہو گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں ان کا مرتبہ یہ تھا کہ آپ نے ان کو شہیدہ ہونے کی بشارت دی تھی اور وہ اکثر ان کے یہاں جایا کرتے تھے۔ اور اپنے صحابۂ کرام سے کہتے: "چلو چل کر شہیدہ سے ملاقات کریں۔" یقیناً آنحضرت نے ام ورقہ کے حفظ قرآن اور حسن قراءت کی وجہ سے انھیں امامت کرنے کا حکم دیا وہ اپنے علاقے یا محلے کی بہترین قاری ہوں گی۔ کیونکہ امامت کی اہلیت کے بارے میں امام احمد، مسلم اور نسائی نے ابو سعید خدری سے روایت کی ہے کہ سب سے پہلے امامت کا حق دار وہ ہے، جو قرآن کی سب سے بہتر قراءت کرنے والا ہو اور اگر قراءت میں سب برابر ہوں تو پھر وہ جو سنت کا سب سے زیادہ جاننے والا ہو، پھر وہ جس نے پہلے ہجرت کی ہو، پھر وہ جو عمر میں بڑا ہو ۔اس حدیث میں مرد یا عورت کی کوئی تخصیص نہیں۔ اسی معیار کے مطابق ام ورقہ اپنے محلے کی امامت کی حق دار ٹھہریں۔"[8]

اس حدیث میں لفظ دار استعمال ہوا ہے اس بارے میں اختلاف موجود ہے کہ یہاں دار سے مراد خاندان ہے یا محلّہ کیونکہ دار کا لفظ کئی معنوں میں آتا ہے۔ یہاں تک کہ یہ دنیا کے لیے بھی مستعمل ہے اس لیے فقہا کے ہاں اس حدیث کی فہم کے معاملے میں اختلاف موجود ہے۔ایک گروہ دار کا مطلب خاندان لیتا ہے۔ جب کہ دوسرا اہلِ محلّہ ، جو گروہ اس سے مراد خاندان لیتا ہے ان کا استدلال یہ ہے کہ اُن کو صرف گھر میں خاندان کی حد تک امامت کی اجازت دی گئی تھی جب کہ جو گروہ اس سے اہل محلّہ یا قبیلہ لیتا ہے، تو وہ اس حدیث سے عورت کی مطلق امامت کا دلیل لیتے ہیں۔ تاہم ہمارے نزدیک حدیث کے دوسرے حصے میں ہی اس کا جواب موجود ہے، جس میں عبدالرحمان کہتا ہے کہ میں نے ان کا مؤذن دیکھا تھا جو ایک بوڑھا شخص تھا اس کا مطلب یہ ہے کہ اُس جماعت میں مرد حضرات بھی موجود تھے۔ اس سے ایک بات تو واضح ہے کہ عورت مردوں کی امامت کرا سکتی ہے اس سے اپنی بنیاد میں دین کو اعتراض نہیں ہے یہ ہو سکتا ہے کسی جگہ کسی مصلحت کے تحت عورت کو امامت سے روک دیا جائے، لیکن یہ کہنا کہ یہ اپنی بنیاد میں کوئی ناجائز حرکت ہے یہ قول ہمارے نزدیک درست نہیں ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں عورت کی امامت کا ذکر موجود ہے، جس میں مرد حضرات کی شمولیت کا تذکرہ بھی موجود ہے، ایک اور بات یہاں واضح کرنا ضروری ہے کہ ایسا نہیں ہے کہ تمام ائمہ

---

[8] پروفیسر خورشید عالم، "عورت کی امامت۔" اشراق، شمارہ مئی (2005)39۔

عورت کی مطلق امامت کے قائل نہیں، یہ صرف جمہور کی رائے ہے، جب کہ ابراہیم بن خالد بن یمان ابو ثور اور اور ابو جعفر محمد بن جریر عورت کی مطلق امامت کے قائل ہیں۔ [9] اس لیے یہ اعتراض غلط ہے جو عموماً اس بارے میں کیا جاتا ہے کہ جو عورت کی مطلق امامت کا قائل ہے وہ ائمہ کے اقوال سے روگردانی کر رہا ہے، لیکن اس طرح تو دوسرا فریق یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ آپ بھی سلف کی اقوال سے روگرانی کر رہے ہیں کیونکہ ابو ثور اور امام طبری جیسے جلیل القدر فقہا و مجتہد اس کے قائل ہیں اس لیے یہ اعتراض اصول ہی میں درست نہیں ہے ، اسی طرح یہاں ایک اور بات واضح رہنی چاہیے کہ جمہور فقہا اپنے اس موقف کے حق میں یہ دلیل بھی دیتے ہیں کہ صدر اول میں چونکہ اس کی مثال نہیں ملتی اس لیے یہ جائز نہیں ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ اعتراض بھی درست نہیں، اس کی دو وجوہات ہیں: پہلی وجہ یہ ہے کہ ایسی بات نہیں ہے کہ اس بارے میں صدر اول کی کوئی مثال ہی نہیں ہے، بلکہ اوپر ام ورقہ کا ذکر میں نے کیا ہے اس کی مثال موجود ہے، خود حدیث کے اندر موجود ہے کہ اُس میں مرد حضرات بھی موجود تھے، دوسری وجہ یہ ہے کہ جب آپ ﷺ ایک قبائلی معاشرے میں پیدا ہوئے تھے، اُس قبائلی معاشرے کے اپنے رسوم وآداب تھے ان رسوم میں یہ بھی شامل تھی کہ عورت ہر معاملے میں مرد کے زیر دست رہے گی، وہ مرد پر حاکم نہیں بن سکتی، یہ رسوم اب اس قدر مضبوط ہو چکے تھے کہ خود عورت بھی اپنے متعلق اس کو قبول کر چکی تھی۔ لیکن جب اسلام آیا تو چونکہ اسلام اس چیز کا قائل نہیں تھا؛ سلام نے دیگر رسوم کی طرح اس بندھن کو بھی توڑنے کی کوشش کی، لیکن یہ کوئی آسان کام نہیں تھا اس لیے اس بارے میں تدریج کا طریقہ کار اختیار کیا گیا۔ اس وجہ سے اگر اس کی مثال صدر اول میں نہ بھی مل جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ کیونکہ یہ اصول میں مانی جا چکی تھی، لیکن اُس قبائلی نظام میں اس پر عمل کرنا قدرے آسان کام نہ تھا، اس وجہ سے اگر یہ بندھن اُس وقت نہ ٹوٹ سکا تو اس کو ختم کرنا ہماری ذمہ داری تھی، جو ہمیں پورا کرنا چاہیے تھی۔ لیکن چونکہ انسان غلطی کا پتلا ہے اُس سے غلطی کا امکان ہر وقت موجود ہے، سوائے خدا کے پیغمبروں کے جو غلطی سے پاک ہیں، اس وجہ سے اس بارے میں ایک انسانی غلطی کے نتیجے میں ایک ایسا رویہ قائم کیا گیا جس کو شریعت ختم کرنے کے لئے کوشاں تھی، لہٰذا ان دو وجوہات کی بنا پر میرے نزدیک جمہور فقہا کی یہ دلیل بھی ناقابل استدلال ہے۔

جو فقہا عورت کی مطلق امامت کے قائل نہیں وہ اس بارے میں دارقطنی کا یہ قول نقل کرتے ہیں جس میں وہ فرماتے ہیں:

> "ام ورقہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول نے اجازت دے دی تھی کہ ان کے لیے اذان دی جائے اور اقامت کہی جائے اور وہ اپنی عورتوں کی امامت کیا کرتی تھیں۔" [10]

---

[9] پروفیسر خورشید عالم، "عورت کی امامت۔"اشراق، شمارہ مئی (2005)40۔

[10] ابوالحسین بن عمر دارقطنی، سنن دارقطنی (لاہور: اشتیاق پرنٹرز لاہور، 2011ء)

دار قطنی کے اس قول کی بنیاد پر فقہاام ورقہ کی اس روایت کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ اس میں صرف عورتوں کی امامت کا ذکر ہے اور اس بارے میں وہ یہی قول پیش کرتے ہیں کہ اس میں دار کی جگہ نسا کے الفاظ آئے ہیں جس کے معنی عورت کے ہیں، لیکن یہ قول درست نہیں ہے کیونکہ صحاح ستہ میں سے سنن ابی داؤد سمیت کئی کتابوں میں یہ حدیث موجود ہے اور سب میں یہ الفاظ وامر ھا ان تو م اھل دار ھا مذکور ہیں اس لیے دار قطنی کی ذاتی قول کی بنیاد پر دار کو نسا میں تبدیل نہیں کیا جاسکتا بلکہ یہ انکی رائے کی حد تک درست مان لی جاسکتی ہے ورنہ تمام احادیث میں وامر ھا ان تو م اھل دار ھا الفاظ مذکور ہیں۔ یہ حدیث اگر صرف ابی داؤد سے مذکور ہوتی تو دار قطنی کی رائے پر غور کیا جاسکتا تھا، لیکن یہ حدیث مسند امام احمد بن حنبل، مستدرک حاکم، صحیح ابن خزیمہ، کنزالعمال، طبقات ابن سعد اور سنن کبریٰ بیہقی میں بھی انھی الفاظ کے ساتھ موجود ہے، جو میں نے اوپر نقل کی ہے۔ اس لیے اس بارے میں دار قطنی کا یہ قول کوئی اہمیت نہیں رکھتا اور اس بنیاد پر عورت کی مطلق امامت کو مقید نہیں کیا جاسکتا۔

اس بارے میں آج کے حنفی اسکالرز بھی اتفاق رکھتے ہیں کہ ام ورقہ کو جو امامت کی ذمہ داری دی گئی تھی وہ عورتوں تک محدود نہ تھی، بلکہ مقتدیوں میں مرد حضرات بھی شامل تھے۔ اس بارے میں یہاں ڈاکٹر حمید اللہ کا قول نقل کرنا کافی ہے وہ لکھتے ہیں:

> "میں اس بات کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں کہ انھیں صرف عورتوں کے لیے امام بنایا گیا تھا۔ حدیث میں اہل خاندان کے الفاظ ہیں، اہل کے معنی صرف عورتوں کے نہیں ہوتے۔ پھر اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ ان کا ایک مؤذن تھا، جو ایک مرد تھا اور مزید تفصیلات بھی ملتی ہیں کہ ان کے غلام بھی تھے، ظاہر ہے کہ غلام ان کی امامت میں نماز پڑھتے ہوں گے۔ غرض یہ کہ امامت صرف عورتوں کے لیے نہیں تھی، بلکہ مردوں کے لیے بھی تھی۔"[11]

ابن تیمیہ نے احمد بن حنبل کے حوالے سے یہ لکھا ہے کہ انھوں نے بوقتِ ضرورت عورت کی مطلق امامت کی اجازت دی ہے۔[12] اسی طرح بعض فقہا اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اس حدیث میں امامت کا حکم مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے عام ہے، مگر وہ اس حکم کو نوافل تک محدود سمجھتے ہیں اور فرضوں کے لیے ممنوع قرار دیتے ہیں۔ یہ نقطہ نظر ہمارے نزدیک درست نہیں ہے۔ ہونا یہ چاہیے تھا کہ اگر کوئی ایسی بات تھی تو عورت کو فرائض میں اجازت دینا چاہیے تھا، اور نوافل میں روکنا چاہیے تھا، کیونکہ نوافل اختیاری ہیں اُس میں جماعت بھی ضروری نہیں، لیکن اُنکا موقف بالکل اس کے برعکس ہے کہ نوافل میں وہ امام بن سکتی ہیں لیکن فرائض میں نہیں، اگر نوافل میں بن سکتی ہیں تو

---

[11] ڈاکٹر حمید اللہ، خطبات بہاولپور (اسلام آباد: ادارہ تحقیقات 1981ء)، 343۔

[12] ابن تیمیہ، فتاویٰ ابن تیمیہ (لاہور: الحلال بک ایجنسی، 2012ء)، 268۔

فرائض میں کیوں نہیں؟ کیونکہ اگر عورت کی مردوں کے امامت کی صورت میں اگر کوئی نقص موجود ہے تو دونوں جگہ موجود ہے وہ کونسا نقص ہے جو نوافل میں موجود نہیں مگر فرائض میں موجود ہے! اس لیے ہمارے نزدیک یہ نقطہ نظر خلاف عقل ہے۔ ہاں اس میں یہ دلیل پیش کی جاسکتی ہے کہ چونکہ فرض عبادت میں امام ایک ایسا شخص ہو جس میں امامت کے حوالے سے کوئی نقص موجود نہ ہو، چونکہ عورت میں نقص موجود ہے اس لیے وہ فرائض میں امامت نہیں کرسکتی، لیکن یہ برہان بھی ہمارے نزدیک خدائی قوانین کے صریح خلاف ہے، کہ عورت اور مرد میں انسانیت کے حوالے سے کوئی فرق نہیں ہے ہر اعتبار سے خدا کے بندے کی حیثیت سے وہ یکساں حقوق کے مالک ہیں، تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ عورت کی امامت مرد کے مقابلے میں ناقص ہو۔ یہ فیصلہ تو قابلیت کی بنیاد پر ہوگا، جنس کی بنیاد پر نہیں۔ اس لیے یہ دلیل بھی نامناسب ہے اس کو اس باب میں حرمت کے لیے پیش نہیں کیا جاسکتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اُس روایت میں پیغمبر نے ام ورقہ کو فرائض میں امامت کا حکم دیا ہے، نوافل کے لیے نہیں، اس لیے کہ اُس میں اذان کا ذکر بھی موجود ہے جب کہ ہمیں معلوم ہے کہ اذان فرائض میں دی جاتی ہے، نوافل میں نہیں۔ اور دوسری بات نوافل کے لیے امام مقرر کرنے کی ضرورت نہیں پڑھتی، اس کا اہتمام فرائض کے لیے ہی ہوتا ہے۔ اس موقف کے رد میں یہ حدیث بھی واضح دلیل ہے جو حاکم نے نقل کی ہے:

"نبی کریم نے ان کو حکم دیا کہ اپنے اہل خاندان کی فرائض میں امامت کریں۔"[13]

اس بارے میں مزید کوئی کلام کی گنجائش نہیں۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ جو فقہا نوافل میں مطلق امامت کے قائل ہیں وہ دراصل مطلق امامت کے ہی قائل ہیں، چاہے نفل ہو یا فرض، کیونکہ یہ ہو نہیں سکتا ہے کہ اس کی اجازت نوافل میں ہو اور فرائض میں نہ ہو۔ اس کی وجوہات میں اوپر بیان کرچکا ہوں، اور اگر ان کے اس قول کو درست مان لیا جائے تو نوافل کی حد تک ان کے ہاں امامت کی اجازت ہے۔ ہمارے ہاں جو سماع ہوتی ہے، وہ نفلی عبادت ہے، اس لیے جو فقہا نوافل میں امامت کے قائل ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے ہاں جو سماع ہوتی ہے اس میں وہ بھی عورت کی امامت کو جائز سمجھتے ہیں، اس لیے اس پر کوئی کلام اعتراض نہیں، بلکہ امام مالک کے علاوہ گویا سب اس کے قائل ہیں۔

اس کے علاوہ وہ تمام احادیث جو صحیح الاسناد ہیں جو امامت کے شرائط کے متعلق بیان ہوئی ہیں جس میں یہ بتایا گیا کہ امامت میں کس کو ترجیح دیا جائے؟ کسی میں بھی مرد و عورت کی کوئی تفریق موجود نہیں، بلکہ اوصاف بیان کیے گئے ہیں کہ جس میں یہ یہ اوصاف موجود ہیں اسے امام بنانا چاہیے۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ امامت کے بارے میں اہلیت کو سامنے رکھا گیا ہے، جنس کی بنیاد پر کسی کو فضیلت نہیں دی گئی ہے، یہاں اس باب میں ایک حدیث مثال کے طور پر پیش کرتے ہیں:

---

[13] ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم النیسابوری، المستدرک علی الصحیحین، (مکۃ المکرمہ: مکتبۃ نزار مصطفیٰ الباز 1420ھ)

"ابو مسعود بدری کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگوں کی امامت وہ شخص کرے، جو کتاب اللہ کو سب سے زیادہ پڑھنے والا ہو، اگر لوگ قراءت میں برابر ہوں تو اُن میں سے جس نے پہلے ہجرت کی ہو وہ امامت کرے، اگر ہجرت میں برابر ہوں تو ان میں بڑی عمر والا امامت کرے، آدمی کی امامت اس کے گھر میں نہ کی جائے اور نہ اس کی حکومت میں اور نہ ہی اس کی تکرمہ یعنی مسند پر اس کی اجازت کے بغیر بیٹھا جائے، شعبہ کا بیان ہے میں نے اسماعیل بن رجاء سے کہا: آدمی کا تکرمہ کیا ہوتا ہے؟ انھوں نے کہا اس کا فراش یعنی مسند وغیرہ۔"[14]

غرضیکہ امامت کی شرائط سے متعلق جتنی بھی احادیث وارد ہیں اُن میں کہیں بھی یہ تفریق موجود نہیں، بلکہ محض اہلیت کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہے کہ اسلام اس بارے میں کوئی تفریق روا نہیں رکھتا۔ ایک اور نقطہ یہاں بیان کرتا چلوں کہ عام حالت میں لازمی نہیں کہ عورت کی امامت اگر جائز ہے، تو اُسے مردوں کا امام بنایا جائے۔ ظاہر سی بات ہے کہ یہ ضرورت ناگزیز وقت میں پیش آسکتی ہے، جہاں یہ ضرورت پڑے تو وہاں اس بنیاد پر عورت کو مردوں کی امامت سے نہ روکا جائے کہ اسلام نے اس سے منع کیا ہے۔ اسی طرح اگر کسی معاشرے میں کسی معاشرتی رسوم و آداب کی وجہ سے یہ قبول کرنا ممکن نہ ہو کہ عورت مرد کی امامت کرے تو وہ چاہیں تو کسی مصلحت کے تحت اُن کو روک سکتے ہیں۔ لیکن اس بنیاد پر نہیں کہ اسلام نے عورت کو مرد کی امامت کی اجازت نہیں دی ہے، بلکہ واضح طور کہ دینا چاہیئے کہ ہمارے معاشرتی رسوم اس کی اجازت نہیں دیتے، اسلام پر یہ الزام لگا کر اس کی عالمگیریت کو مجروح نہ کیا جائے۔

عصر حاضر میں علما کا ایک گروہ چند غیر متعلق قرآنی آیات کا سہارا لے کر بھی اپنے اس موقف کو ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کرتا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ تمام آیات معاشرتی و عائلی زندگی سے متعلق ہیں، امامت سے ان آیاتِ قرآنی کا کوئی تعلق نہیں ہے اس گروہ کے بارے میں خورشید عالم صاحب لکھتے ہیں:

"بعض علما اور خصوصاً ہمارے یہاں کے مذہبی پیشوا جو مرد کو صرف مرد ہونے کی وجہ سے عورت سے افضل سمجھتے ہیں، وہ اس سلسلہ میں ایسی قرآنی آیات پیش کرتے ہیں جن کا امامت کے موضوع سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ مثلاً الرجال قوامون علی النساء (4: 34) "مرد عورتوں کے ذمہ دار ہیں۔ وللرجال علیھن درجۃ (2: 225) "اور مردوں کو ان پر ایک درجہ ہے۔" ان دونوں آیات کا تعلق میاں بیوی کے عائلی اور معاشرتی حالات سے ہے، امامت کے مسئلہ سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔ دین اور شریعت کے اعتبار سے مرد اور عورت ہر ایک کو اپنے اعمال کی جزا اور سزا ملے گی۔ کسی کے اعمال صالحہ اکارت نہیں ہوں گے۔ ان میں سے اللہ کے نزدیک وہی مکرم ہو گا جو متقی

---

[14] ابو داؤد، سنن ابو داؤد، 579۔

ہو گا۔ فضیلت کا بس یہی پیمانہ ہے۔ مرد کو صرف مرد ہونے کی وجہ سے عورت پر قطعی کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ یہ سوچ حکمت قرآنی سے متصادم ہے۔"[15]

خلاصہ بحث

ان مباحث کا حاصلِ مقصود یہ ہے کہ ہمارے ہاں عورت کی مسجد جانے کی اجازت پر سب کا اتفاق ہے۔ عورتیں عورتوں کی امامت کر سکتیں ہیں، اس بارے میں سوائے امام مالک کے سب کا اتفاق ہے۔ عورتیں مردوں کی امامت کر سکتی ہیں اس بارے میں اختلافات موجود ہیں۔ اس بارے میں فقہا تین گروہ میں منقسم ہیں: ایک گروہ عورتوں کی مطلق امامت کا قائل ہے، دوسرا گروہ عورتیں کی مردوں کی امامت کو جائز نہیں سمجھتا، جب کہ تیسرا گروہ عورتوں کی مردوں کی امامت کو نوافل کی حد تک محدود مانتا ہے، اور فرائض میں امامت کا قائل نہیں۔ یہ تین گروہ ہیں ان کے دلائل میں نے بیان کر دیے اور اپنی آرا بھی اس بارے میں نقل کی ہیں۔ پڑھنے والے جس موقف کو دلائل کی بنیاد پر ترجیح دیتے ہیں۔ یہ ان کا حق ہے وہ اپنے لیے بہتر نقطہ نظر کا انتخاب کر سکتے ہیں۔

غرضیکہ یہ عورتوں کی امامت کا مسئلہ کوئی لاعلمی کا نتیجہ نہیں ہے، بلکہ اس بارے میں ہماری ایک روشن تاریخ ہے، جس میں ہمارے فقہا ایک دوسرے سے اختلافات رکھتے تھے، لیکن باوجود اس کے ان اختلافات نے کبھی نزاع کی صورت اختیار نہیں بلکہ سب نے اختلافات کو قبول کیا او رآداب اور حسن ظن کے ساتھ ایک دوسرے کو قائل کرنے کی کوشش کی۔ اس طرح کی ہر مسئلے پر ہمیں وہی رویہ اختیار کرنا چاہیے، جو ہمارے فقہا نے اختیار کیا، یعنی خالص علمی و تحقیق رویہ، لیکن ہمارے ہاں اس طرح کے مسائل کو جب انانیت کے بل بوتے پر چھوڑ دیا جاتا ہے تو نتیجہ وہی نکلتا ہے جو ہمارے سامنے ہے: عدم برداشت کی ایسی فضا کہ معمولی اختلاف لڑائی جھگڑوں اور جنگوں کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔

---

[15] پروفیسر خورشید عالم، "عورت کی امامت۔" اشراق، شمارہ مئی (2005)، 44۔